آغازِ زمستاں میں دوبارہ

منیر نیازی

آغازِ زمستاں میں دوبارہ

منیر نیازی

مکتبۂ منیر ماڈل ٹاؤن لاہور

پبلشرز ---------- منیر نیازی
طبع ------ شرکت پرنٹنگ پریس لاہور
تعداد .------------ ۷۰۰
خطاطی .------- انور حسین باجوہ
قیمت ۲۰/=
بار اوّل

انتساب

والدِ مرحوم فتح محمدؒ خان نیازی کے نام

فہرست

غزل

سورج کی دمک بجلی کی چمک ساون کا ہرا بن دیکھا ہے
رنگین ملائم پتوں کی سرسر سے بھرا بن دیکھا ہے

دیوارِ فلک، محرابِ زماں، سب ڈھو کے آتے جاتے ہوئے
یہ ایک حقیقت ہم پہ کھُلی جب سے وہ کھلا بن دیکھا ہے

میراثِ جہاں اِک عہدِ وفا کسی خواب میں زندہ رہنے کا
اک قصّہ تنہا آدم کا جس نے تنہا بن دیکھا ہے

کبھی بابِ ہوا کبھی سبز ردا، کبھی راز ہزاروں صدیوں کا
ہر لمحہ رنگ بدلتا ہوا ہر آن نیا بن دیکھا ہے

دیکھا ہے اُسے اُس گھر میں مگر لگتا ہے منیرؔ ایسا مجھ کو
دریا کے کنارے پر جیسے پانی میں گھرا بن دیکھا ہے

غزل

دل کا سفر بس ایک ہی منزل پہ بس نہیں
اتنا خیال اُس کا ہمیں اِس برس نہیں

دیکھو گُلِ بہار اثر دشتِ شام میں
دیوار و در کوئی بھی کہیں پیش و پس نہیں

آیا نہیں یقین بہت دیر تک ہمیں
اپنے ہی گھر کا در ہے یہ بابِ قفس نہیں

ایسا سفر ہے جس کی کوئی انتہا نہیں
ایسا مکاں ہے جس میں کوئی ہم نفس نہیں

آئے گی پھر بہار اسی شہر میں منیرؔ
تقدیر اِس نگر کی فقط خار و خس نہیں

غزل

جو مجھے بھلا دیں گے میں انہیں بھلا دوں گا
سب غرور ان کا مَیں خاک میں ملا دوں گا

دیکھتا ہُوں سب شکلیں سُن رہا ہُوں سب باتیں
سب حساب ان کا مَیں ایک دن چکا دوں گا

روشنی دکھا دوں گا ان اندھیر نگروں میں
اِک ہوا ضیاؤں کی چار سُو چلا دوں گا

بے مثال قریوں کے بے کنار باغوں کے
اپنے خواب لوگوں کے خواب میں دکھا دوں گا

مَیں منیر جاؤں گا ایک دن اسے ملنے
اس کے در پہ جا کے میں ایک دن صدا دوں گا

غزل

صبحِ خنداں غمِ شبانہ تھا
وہ حقیقت تھا یا فسانہ تھا

اُس کو دیکھا نہ اُس سے بات ہوئی
ربط جتنا تھا غائبانہ تھا

ہم نے وہ وضع جو بنا لی تھی
اُس سے ملنے کا اِک بہانہ تھا

اُس طرف یاد تھی عظیم و کبیر
درمیاں میں بہت زمانہ تھا

ہم بھی آئے منیرؔ ہستی میں
رسم تھی اِک جسے نبھانا تھا

غزل

دل کو حالِ قرار میں دیکھا
یہ کرشمہ بہار میں دیکھا

جس کو چاہا خمار میں چاہا
جس کو دیکھا غبار میں دیکھا

خواہشوں کو بہت ہوا دینا
وصف یہ ہم نے یار میں دیکھا

اِک بشر میں کئی بشر دیکھے
جزو و کُل کے حصار میں دیکھا

جب سے دیکھا ہے اِس زمیں کو منیرؔ
قیدِ لیل و نہار میں دیکھا

غزل

روشنی در روشنی ہے اُس طرف
زندگی در زندگی ہے اُس طرف

جن عذابوں سے گزرتے ہیں یہاں
ان عذابوں کی نفی ہے اس طرف

اِک رہائش خواہشِ دل کی طرح
اِک نمائش خواب کی ہے اس طرف

جو بجھ کر رہ گیا ہے اِس جگہ
حُسن کی اک شکل بھی ہے اس طرف

جستجو جس کی یہاں پر کی منیرؔ
اُس سے ملنے کی خوشی ہے اُس طرف

غزل

ابرِ بہارِ شامِ تمنا بھی خواب ہے
یہ انتظارِ حُسنِ دلآرا بھی خواب ہے

ہیں خواب قصّہ ہائے فراق و وصال سب
میرے اور اُس کے غم کا فسانہ بھی خواب ہے

گزرے ہُوئے زمان و مکاں جیسے خواب تھے
سحرِ خیالِ عشرتِ فردا بھی خواب ہے

بس ایک خوابِ نورِ سحر کے مقام کا
اِس خوابِ تلخِ شب کا مداوا بھی خواب ہے

ملتا ہوں روز اس سے اِسی شہر میں منیرؔ
پر جانتا ہوں وہ بُتِ زیبا بھی خواب ہے

غزل

محفل آرا تھے مگر پھر کم نما ہوتے گئے
دیکھتے ہی دیکھتے ہم کیا سے کیا ہوتے گئے

ناشناسی دہر کی تنہا ہمیں کرتی گئی
ہوتے ہوتے ہم زمانے سے جُدا ہوتے گئے

منتظر جیسے تھے در شہرِ فراق آثار کے
اِک ذرا دستک ہوئی در دم میں وا ہوتے گئے

حرف پردہ پوش تھے اظہارِ دل کے باب میں
حرف جتنے شہر میں تھے حرفِ لا ہوتے گئے

وقت کس تیزی سے گزرا روزمرّہ میں منیرؔ
آج کل ہوتا گیا اور دن ہوا ہوتے گئے

غزل

ساعتِ ہجراں ہے اب کیسے جہانوں میں رہوں
کن علاقوں میں بسوں میں کن مکانوں میں رہوں

ایک دشتِ لامکاں پھیلا ہے میرے ہر طرف
دشت سے نکلوں تو جا کر کن ٹھکانوں میں رہوں

علم ہے جو پاس میرے کس جگہ افشا کروں
یا ابد تک اس خبر کے راز دانوں میں رہوں

وصل کی شامِ سیہ اس سے پرے آبادیاں
خواب دائم ہے یہی میں جن زمانوں میں رہوں

یہ سفر معلوم کا معلوم تک ہے اے منیرؔ
میں کہاں تک ان حدوں کے قید خانوں میں رہوں

غزل

رنگوں کی وحشتوں کا تماشا تھی بامِ شام
طاری تھا ہر مکاں پہ جلالِ دوامِ شام

گلدستۂ جہات تھا نیرنگِ راہِ عشق
تھا اِک طلسمِ حُسن خیابانِ دامِ شام

آگے کی منزلوں کی طرف شام کا سفر
جیسے شبوں کے دل میں تھا شہرِ قیامِ شام

باندھے ہوئے ہیں وقت سبھی اس کے حکم میں
ہے جس خدا کے ہاتھ میں کارِ نظامِ شام

دھند لاگئی ہے شام شبِ خام سے منیرؔ
خالی ہوا کشش کی شرابوں سے جامِ شام

غزل

بے حقیقت دوریوں کی داستاں ہوتی گئی
یہ زمیں مثلِ سرابِ آسماں ہوتی گئی

کس خرابی میں ہوا پیدا جمالِ زندگی
اصل کس نقلِ مکاں میں رائیگاں ہوتی گئی

تنگیٔ امروز میں آئندہ کے آثار ہیں
ایک ضد بڑھ کر کسی سُکھ کا نشاں ہوتی گئی

دوسرے رُخ کا پتہ جس کو تھا وہ خاموش تھا
وہ کہانی بس اُسی رُخ سے بیاں ہوتی گئی

اِک صدا اُٹھی تو اِک عالم ہُوا پیدا منیرؔ
اِک کلی مہکی تو پُورا گلستاں ہوتی گئی

رات دن کے بدلتے آئنے میں ایک مقامِ شکر

ہوا چلتی ہے وسعت کے خیابانوں کی حیرت میں
ہوا چلتی ہے مغرب کے پری خانوں کی غربت میں
ہوا چلتی ہے قریے کے شبستانوں کی حالت میں
ہوا چلتی ہے سرما کی نئی شامِ محبّت میں
کوئی دیروز کا دکھ ہے در و بامِ محبّت میں
کوئی کیفیتِ فردا ہے مہتابِ تمنّا میں
مقام ایسا کبھی دیکھا نہیں خوابِ تمنّا میں
یہ کیسی شام آئی ہے مجھے بابِ تمنّا میں

نئے ستارے کے آس پاس بنتے بگڑتے دن

کئی دِن سے اک ستارہ
کیے جا رہا ہے مجھ کو
کسی بات کا اشارہ
دمِ انتظارِ شب میں
کوئی چشمِ مست جیسے
سرِ پردۂ نگاریں
غمِ بود و ہست جیسے
کسی شہرِ رفتگاں پر
خمِ خوابِ زر فشاں پر
دلِ ناصبور جیسا
کسی دوسرے جہاں پر
کسی اور آسماں پر
کسی شامِ نور جیسا

جگنو چمک رہا ہے

جگنو چمک رہا ہے
جگنو بھٹک رہا ہے
سحرِ سیاہِ شب میں
املی کی ڈالیوں میں
خوابیدہ در کے باہر
لکڑی کی جالیوں میں
تنہا نگاہِ شب میں
مثلِ خیالِ روشن
خوابِ سیاہِ شب میں
جگنو چمک رہا ہے

وصالِ سرسبز

پھُول اِک گلاب کا
مضمحل، خراب سا
اِس خراب پھُول پر
تیتری کے پنکھ ہیں
چادریں حجاب کی
محرمِ حجاب پر
دیر پا وصال کے
دُور تک کے خواب کی
جس کی کشش جہات سے
پھُوٹتی ہیں پتیاں
اِک نئے گلاب کی

حوصلہ دینے والی مثال

دیکھو کیسے گِرا وہ
دیکھو کیسے اُٹھا وہ
کتنا اسفل ہُوا تھا
کتنا افضل ہُوا وُہ
تنہا جتنا رہا وہ
کثرت جتنا رہا وہ
اس کی طرح بنو تم
اس کے ساتھی بنو تم
دیکھو کیسے اُٹھا وہ
کتنا افضل ہُوا وہ

فیصل آباد زرعی یونیورسٹی میں ایک روشن دن

لال سنہرے رنگ کے نیچے ہرے رنگ کے تھال میں
تین شجر یہ رنگ اٹھائے کھڑے مئی کی دُھوپ میں
ہجر ہی ہجر کی حد پر جاگے خواب کی کوئی مثال ہیں

تین بشر مسحور کھڑے ہیں دُھوپ کے روشن روپ میں
جیسے یہ کسی نئے جنوب کا کوئی نیا شمال ہیں
جیسے اس کے نئے مکان کا کوئی نیا جمال ہیں

کیسے پھر اس عہد کو زندہ کروں

میں محبت کس طرح اس سے کروں
دل میں جو ہے کس طرح اس سے کہوں

میرے اس کے درمیاں بیگانگی برسوں کی ہے
ایک بے مفہوم جیسی خامشی برسوں کی ہے

اپنی اپنی زندگی میں مبتلا اتنے رہے
سارا کچھ دھندلا گیا ہے ہم جدا اتنے رہے

اس کے کس رُخ کو اشارہ عشق کا کیسے کروں
اس ذرا سے کام کی میں ابتدا کیسے کروں

اے بادل

اے بادل جب بیل بنے توُ
موتی کنٹھ کے پھُولوں کی
جب آکاش پہ رنگت ہو توُ
مینہ کے بعد کے جھُولوں کی

اے بادل جب بوند بنے توُ
تالابوں کے پانی پر
خواہش سے بھی تنگ جگہ پر
وسعت کی ویرانی پر

اے بادل جب شکل بنے توُ
آدمیوں کی بستی کی
اس کے کسی آباد مکاں میں
میرے جیسی ہستی کی

اے بادل جب وقت بنے تو
تیری شام کوئی بھی ہو
میں پہچان سکوں گا تجھ کو
تیرا نام کوئی بھی ہو

ہجرت اور مراجعت کی حد پر

کچھ دیر میں تم سے دُور رہوں گا پھر واپس آجاؤں گا
تم میں بھی ابھی وہ بات نہیں جو مُجھ کو یہاں پر روک سکے
مجھ میں بھی ابھی وہ بات نہیں جو تم کو یہاں پر روک سکے
اس بات کی کچھ دن کھوج کروں گا پھر واپس آجاؤں گا

خواب اتنے دیکھتا ہوں

رات بھر میں جاگتا ہوں اُس خدا کی یاد میں
جس کا دم آباد ہے اس قریۂ برباد میں

مینہ کی خوشبوئیں جیسے دشتِ ہُو کی پیاس میں
دن گزر جاتا ہے میرا اُن دنوں کی آس میں

چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں شہر سے اُڑتے ہوئے
جنّتوں سے رنگ مِلتے، ٹوٹتے جُڑتے ہوئے

رات دن رہتا ہوں اِن کی سبز شادابی میں مَیں
خواب اتنے دیکھتا ہوں اپنی بے خوابی میں مَیں

وقت سے آگے گزرنے کی سزا

آدمی تنہا رہ جاتا ہے

(اپنی پنجابی نظم کا ترجمہ)

شہر کے مکان

اپنے ہی ڈر سے جُڑے ہُوئے ہیں
اِک دُوجے کے ساتھ

(اپنی پنجابی نظم کا ترجمہ)

برسوں کے بعد مُلاقات

پہلے تو میں گزر گیا یونہی جیسے کوئی انجان
پھر میں اسے پہچان کے ہوا بہت حیران

(اپنی پنجابی نظم کا ترجمہ)

نئی رُت

ہلکی ہلکی ٹھنڈ میں کانپیں
خواہشیں چھُپے ہُوئے پیار کی
راتیں چیت بہار کی
لے کر آئیں ساتھ ہوائیں
سات سمندر پار کی

(اپنی پنجابی نظم کا ترجمہ)

سانپ کی صفات

سُر ہو تو وہاں پر سانپ
مہک ہو تو وہاں پر سانپ
زیرِ زمیں کی تاریکی میں
زر ہو تو وہاں پر سانپ

(اپنی پنجابی نظم کا ترجمہ)

اصل سے خوف

اِدھر اُدھر کرتے رہتے ہیں
اصل سے ہیں ہم ڈرتے
جس سے بات ہے کرنی ہوتی
اُسی سے ہم نہیں کرتے

(اپنی پنجابی نظم کا ترجمہ)

شہرِ اوہام

بُت کدے میں بُت بہت ہیں مسندوں پر، تخت پر
وہم کی تجسیمِ سنگیں اب ہے اوجِ بخت پر
سینکڑوں سالوں کا پہرا مستقل اِس در پہ ہے
دیر کے کچھ خوف ہیں دیوارِ شہرِ سخت پر

غزل

بادل اُڑے تو گم آسمان دکھائی دیا
پانی اُترے تو اپنا مکان دکھائی دیا

اُس سے آگے فراق کی منزلیں تھیں
جہاں پہنچ کے اس کا نشان دکھائی دیا

اُس کے سامنے یہ جگ ویران لگا
اُس کی آنکھوں میں ایسا جہان دکھائی دیا

ہمارے حال کی خبر وہ رکھتا تھا
ساری عمر جو انجان دکھائی دیا

کام وہی منیر تھا مشکلوں کا
جو شروع میں بہت آسان دکھائی دیا

(اپنی پنجابی غزل کا ترجمہ)

جامنی رنگ کا کرشمہ

جامنی پنچھی جامنی پھول
جامنی حدیں جامنی ہونٹ
تک کے گئیں یہ آنکھیں بھول
پچھلی دید کے سارے دُکھ
یاد آئے کتنے بھولے سُکھ

(اپنی پنجابی نظم کا ترجمہ)

رستے

یہ رستے یہ لمبے رستے
کونسی سمت کو جاتے ہیں
بہت پُرانے محلوں اندر
بچھڑے یار ملاتے ہیں
اُونچے، گھرے جنگلوں اندر
شیر کی طرح ڈراتے ہیں
یا پھر یونہی گھوم گھما کے
واپس موڑ لے آتے ہیں

(اپنی پنجابی نظم کا ترجمہ)

میرا اصل وُجود

میرا تو بس اتنا ہی کچھُ ہے
حصّہ اپنے آپ کے بیچ
جتنا رات کے سُننے والے کا
بھاری پیر کی چاپ کے بیچ

(اپنی پنجابی نظم کا ترجمہ)

ایک بہاری رات

گھر کی دیواروں پر دیکھو بوندیں لال پھوار کی ہیں
آدھی شب دروازے کھڑکیں ڈائنیں چیخیں مارتی ہیں
سانپ کی شوکر گونجے جیسے باتیں گھر سے پیار کی ہیں
اِدھر اُدھر چھُپ چھُپ کر ہنستی شکلیں شہر سے پار کی ہیں
پاس سے روح سمان گزرتی مہکیں باسی ہار کی ہیں
گورستان کی راہ دکھاتی کوکیں پہرے دار کی ہیں

(اپنی پنجابی نظم کا ترجمہ)

حرفِ سحر خیز

شاید وُہ آ ہی جائے
سوچا تھا جس کو مَیں نے
پیڑوں میں چھُپ کے بیٹھی
گندم کی راگنی میں
بے چین گھر کے اندر
صُبحِ جہاں نما کی
تاریک بے کلی میں
شاید میں اس سے مل کے
وہ بات کہہ سکوں گا
جس بات کو کہا تھا
مَیں نے کبھی کسی سے
ایسی ہی اک سحر میں
اِک اجنبی نگر میں
اِک اور اجنبی سے

غزل

دل کو اپنی ہستی کا چارہ گر بنا لیتے
ہم جو اُس سے مل جاتے اِک نگر بنا لیتے

در بدر نہ میں پھرتا در بدر نہ وہ ہوتا
اک جگہ پہ مِل کے جو اپنا در بنا لیتے

خواب جو نہ بن جاتے نیند کے جہانوں میں
یہ عذاب دنیا کے دل میں گھر میں بنا لیتے

اب خیال آتا ہے منزلوں کی سختی میں
کوئی یار تو اپنا ہم سفر بنا لیتے

راہ بر کے بن چلنا اے منیرؔ مشکل تھا
پر خراب ہوتے جو راہ بر بنا لیتے

(اپنی پنجابی غزل کا ترجمہ)

غزل

کارِ دنیا تھا سخت کام طلب
ہم بھی تھے آرام اور نام طلب

اس صدا کی جہت نہیں کوئی
شورشِ دہر ہے نظام طلب

ایک بے مہر دن کے آخر پر
شام آئی ہے کیسی جام طلب

اور ہستی کی جستجو سی ہے
ساری ہستی ہے ناتمام طلب

عارضی تھا مقام اپنا منیرؔ
خواہشِ زیست تھی دوام طلب

راولپنڈی میں شروع سال کی بارش

ناہموار مکانوں میں
کھُلتے ہُوئے دریچوں سے
تکتے ہُوئے حسینوں پر
ناہموار پہاڑوں سے
ناہموار زمینوں پر
وسعت بھری دراڑوں سے
پتھریلی ڈھلوانوں پر
چڑھتے ہُوئے مکینوں پر
وقت کے ہرے کواڑوں سے
سال کے نئے مہینوں پر

وداع

رُخ کدھر ہے حُسن کا
اس حُسنِ بے پرواہ کا
وسعتِ کون و مکاں میں
مرکزِ غم کی طرف

سُورج گرہن کے دن

بامِ بلندِ غم سے
موسم گزُر رہے ہیں

اِک اِک صدی کا لمحہ
رفتار تیز ایسی
باتیں سمجھ نہ آئیں
گفتار تیز ایسی

بننے سے پیشتر ہی
منظر بکھر رہے ہیں

انہونیاں بہت ہیں
ان موسموں کے اندر
جن کا گماں نہیں ہے
وہ برق وش منازل
ہیں ان رُتوں کے اندر

اِک سمت میں کہیں پر
شب ریز ساعتوں میں
رستہ دکھانے والی
اِک شے چمک رہی ہے

اِک سمت میں کہیں پر
صدیوں کی کج روی میں
گم راہ آدمی کی
کوشش بھٹک رہی ہے

واہمہ

واہمہ ہے یہ سمندر شامِ ساحل کی طرح
دس برس پہلے کی چاہت کی حقیقت کی طرح
باغ میں اُس کی رفاقت آسمانِ شب تلے
گرمیوں میں ہاتھ اُس کا روشنی کا جال سا
دو اندھیروں میں گھرے اِک دائمی سے حال سا
دو زمانوں کے اثر میں رنگِ ماہ و سال سا
واہمہ ہے یہ سمندر اُس محبت کی طرح

منیر نیازی کے دیگر شعری مجموعے

اُردُو

۱- تیز ہوا اور تنہا پھول
۲- جنگل میں دھنک
۳- دشمنوں کے درمیان شام
۴- ماہِ منیر
۵- چھ رنگیں دروازے
۶- اُس بے وفا کا شہر
۷- کتابِ منیر (زیرِطبع)

پنجابی

۱- سفر دی رات
۲- چار چُپ چیزاں
۳- رستہ دسن والے تارے
۴- قصہ دو بھراواں دا (ڈرامے زیرِطبع)

مکتبۂ منیر ماڈل ٹاؤن لاہور